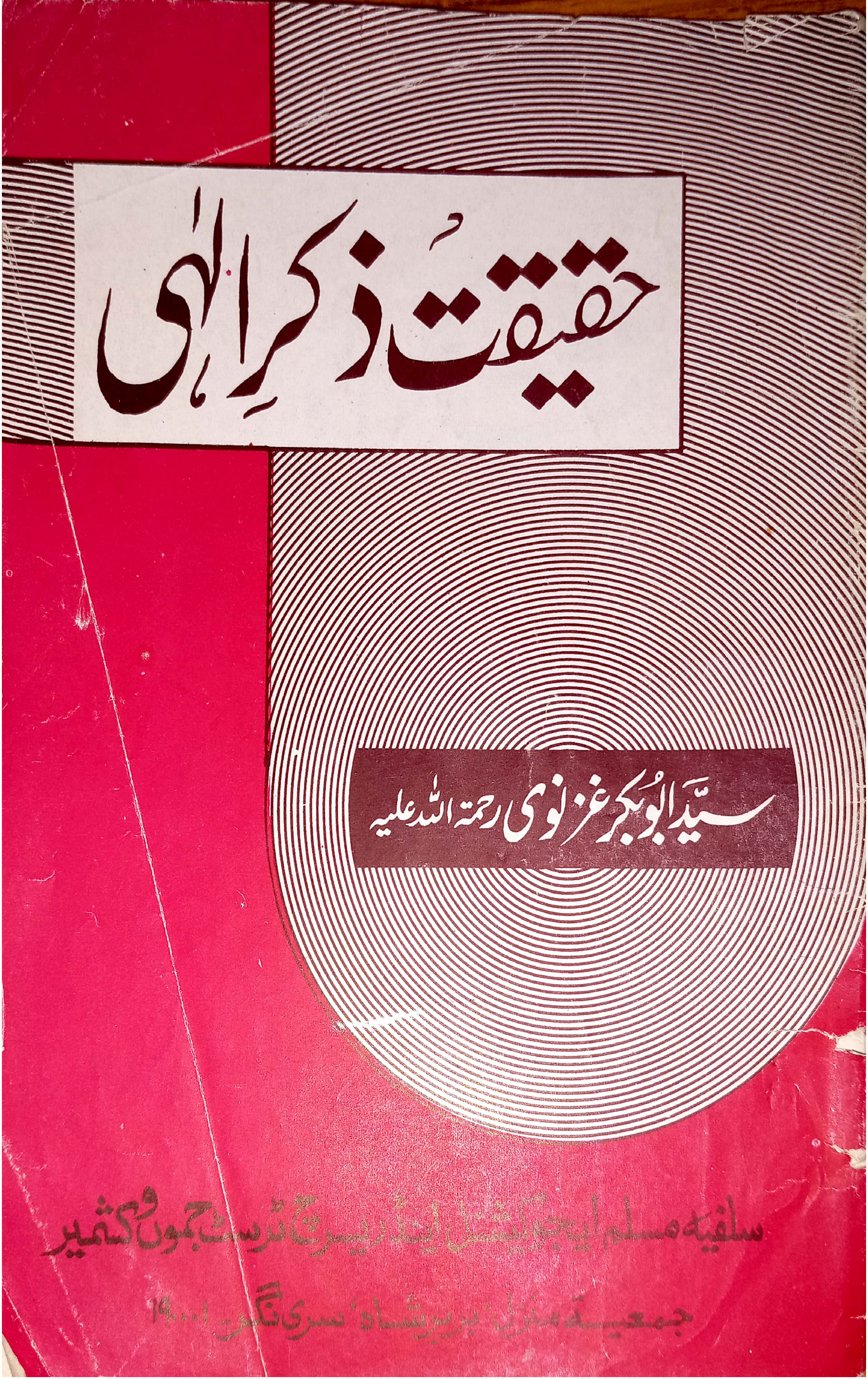

حقیقت ذکرِ الٰہی

سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

سلفیہ مسلم ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ ٹرسٹ جموں و کشمیر
جمعیۃ منزل، بربرشاہ، سری نگر ۱۹۰۰۰۱

حقیقتِ ذکرِ الٰہی

حضرت مولانا سیّد ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

سلفیہ مسلم ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ ٹرسٹ جمّوں وکشمیر
جمعیۃ منزل بربر شاہ، سری نگر- ۱۹۰۰۰۱ (کشمیر)

پیش لفظ

آج جب کہ اسلام کو ہر طرف سے خطرات نے آگھیرا ہے، مادیت وراُس مالیت کے یلغار نے روح اسلام کو مجروح کر دیا ہے۔ اس کے صاف وشفاف جسم کو داغ دار کر دیا ہے تو ضرورت ہے کہ اس کے زخم جگر کو دھویا جائے، اس کے پاک جسم سے بدنما دھبوں کو چھڑایا جائے اور اس کی پاکیزہ تعلیمات کو عام کیا جائے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کا ایک باکردار ادارہ "سلفیہ مسلم ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ ٹرسٹ" جموں وکشمیر نے اصلاح عمل وعقیدہ، فکر اسلامی کی تطہیر اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل کے لیے حتی المقدور جدوجہد کر رہا ہے کئی اہم دینی کتابوں کو چھاپ کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کرتا ہے جس کے مطالعہ سے بے شمار لوگوں کو صحیح دین کی سمجھ مل رہی ہے۔

یہ خیراتی ادارہ ہر طرح سے مسلمانوں کی خدمت کرتے رہنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ عام مسلمان بھائیوں سے اپیل ہے کہ وہ اس کام میں شریک ہو کر فلاح دارین حاصل کریں۔

سلفیہ مسلم ایجوکیشنل اینڈ ریسرچ ٹرسٹ جموں وکشمیر
بربرشاہ۔ سری نگر ۱۹۰۰۱۰ کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اگر رُوحانی بیماریوں کا جائزہ لیا جائے، تو حقیقت میں بیماریاں دو ہی ہیں:

① عقیدہ و عمل میں "تضاد کی بیماری ——— اس بیماری میں عقیدہ درست ہوتا ہے، ذہن خیر و شر میں حدِ فاصل کھینچتا ہے، لیکن اعضاء و جوارح عقیدے کا ساتھ نہیں دیتے۔ عقل کہتی ہے کہ اللہ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہیے، مگر عین اس وقت جب عقل یہ کہہ رہی ہوتی ہے، انسان محسوس کرتا ہے کہ حُبِ مال، حُبِ جاہ، حُبِ حُسنِ مجاز اللہ کی محبت پر چھا گئی ہے۔ انسان تسلیم کرتا ہے کہ غیر اللہ کا ڈر دِل میں نہیں ہونا چاہیے، مگر دل میں جھانکتا ہے، تو جھوٹے خداوندوں کے خوف سے اسے ملوّث پاتا ہے۔ انسان مانتا ہے کہ حسد، بغض، کینہ، عناد، تکبّر، بُخل رُوحانی بیماریاں ہیں اور دِل ان سے پاک ہونا چاہیئے، مگر اس کے باوجود وہ دل میں ان سانپوں کو رینگتا ہوا دیکھتا ہے۔ ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ عقیدہ و عمل کے اس تضاد کا علاج کیا ہے؟

② کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود عقیدے کی چولیں ڈھیلی ہو جاتی ہیں۔ ذہن

خیر و شر میں واضح طور پر حدِ فاصل نہیں کھینچتا ہے۔ عقل سرکش ہو کر چھوٹ ہو جاتی ہے اور ہر وہ بات جو اس کی گرفت میں نہیں آتی، اس کے وجود ہی سے منکر ہو بیٹھتی ہے۔

اس بیماری میں سوچنے کا انداز یوں ہوتا ہے۔ جانے اِس کائنات کا نظام چلانے والا کوئی ہے بھی کہ نہیں۔ وحی و تنزیل کی حقیقت کیا ہے، وحی غیر مرئی، ملائکہ کا وجود غیر مرئی، خدا کی ہستی ناقابلِ ادراک۔ رُوح کا کوئی مستقل وجود ہے یا حیات مادّے ہی کا خاصہ ہے اور مادّے سے ہٹ کر حیات کا کوئی وجود نہیں۔ پھر حیات بعد الممات کیا ہے؟ ہر وہ شے جو حواس کی گرفت میں نہیں آتی، انسان اس کے وجود میں متشکک (SCEPTIC) ہو جاتا ہے۔ اس تشکیک کا علاج کیا ہے؟

عقیدہ و عمل میں تضاد

عقیدے اور عمل میں تضاد کیوں ہوتا ہے؟ انسان کا وجود مختلف اور متضاد عناصر سے مرکّب ہے۔ اس کے خمیر میں حیوانیت، بہیمیّت، سبعیت، ملکیّت، یہ سب کچھ گندھا ہُوا ہے۔ جب ملکیّت بہیمیّت و سبعیّت سے مغلوب ہو جاتی ہے، عقیدہ و عمل میں تضاد رونما ہوتا ہے۔ جب نفسانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے، تو اعضاء ذہن کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس آیت میں اسی حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (۱۲ : ۵۳)

نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔

قرآن مجید نے نفس کے علاوہ ایک اور دشمن کی خبر دی ہے جو برائی پر اُکسانے والا ہے۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ط (۳۵ : ۶)

ترجمہ: یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اسے (دل و دماغ کی ہم آہنگی کے ساتھ) دشمن سمجھو۔

شیطان کی حقیقت

شیطان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یجری مجری الدم (وہ انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے)

اور اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔ جیسے انسانی جسم میں ہوا کی آمد و شد جاری ہے، جیسے بجلی جسم میں سرایت کر جاتی ہے، شیاطین کہ ارواح ہیں، ان کا جسم میں سرایت کر جانا آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ شیطان بڑا گھاگ اور خرانٹ ہے۔ وہ سرد و گرم عالم چشیدہ ہے۔ اُس نے چرخ کی اَن گنت گردشیں دیکھی ہیں۔ وہ ہر شخص کی کمزوریوں پہ نظر رکھتا ہے اور نفس کے کمزور ترین حصے کو چھوتا ہے۔ وہ ایسا احمق نہیں کہ جس شخص کے خمیر میں فیاضی گندھی ہوئی ہو، جس کی ہڈیوں میں سخاوت رچی ہوئی ہو، وہ اسے بخل پر آمادہ کرے وہ اسے اسراف پر آمادہ کرے گا، وہ اسے تبذیر پہ مائل کرے گا، وہ اسے بے جا اور بے محل خرچ کرنے پر اُکسائے گا، وہ ایک نازک مزاج شاعر کو قتل و غارت پر آمادہ نہیں کرے گا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس میں دھینگا مُشتی کی صلاحیت نہیں۔ وہ اُسے شراب نوشی اور حسن پرستی پر اُکساتا ہے۔

پس نفس اور شیطان دو بڑے دشمن ہیں اور نفس شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔ آدم و حوّا کو شیطان نے بہکایا فازلھما الشیطان مگر خود شیطان کو کس نے بہکایا؟ اسے نفس ہی نے بہکایا۔ اس وقت تو کوئی اور شیطان نہ تھا۔

علاج: اب سوال یہ ہے کہ نفس اور شیطان کو کیسے پچھاڑیں؟ انہیں پچھاڑنے کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے کتاب و سُنت کی روشنی میں ان کی حقیقت معلوم کریں۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الشیطان جاثمٌ علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللّٰہ خنس واذا غفل وسوس۔ (بخاری شریف)

شیطان آدمی کے دل پر جم کر بیٹھتا ہے۔ جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جونہی انسان ذکر سے غافل ہوتا ہے، جی میں وسوسے ڈالتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان کو جو ابن آدم کے دل پر جم کے بیٹھتا ہے اور رگوں میں خون بن کر دوڑتا ہے، آدمی کے جثّے سے باہر آنا پڑتا ہے اور جب تک آدمی ذکر میں مشغول رہتا ہے، ذکر کا نور اسے قریب نہیں آنے دیتا۔

آپ یقین کیجیے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر سے غافل ہیں، شیاطین نے ان کے سینوں کو اپنا نشیمن بنا رکھا ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝

(۴۳ : ۳۶)

جو شخص اس رحم کرنے والے آقا کے ذکر سے اندھا ہو جاتا ہے، ہم اس پر شیطان مقرر کر دیتے ہیں اور وہ شیطان ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

وہ خدا جو ہمیں عدم سے وجود میں لایا اور جس نے تدریج ہمیں حدِ کمال تک پہنچایا، وہ خدا جو دن رات ہم پر جسمانی، ذہنی اور رُوحانی نوازشوں کی بارش کرتا ہے، ہم میں سے جو اس محسنِ اعظم کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ کا قانون یہی ہے کہ اس احسان فراموش کی رُوحانی مناسبت شیاطین سے ہو جاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی چونکہ شیطان کے حق میں بیماری سے کم نہیں، اس لیے وہ جس پر مسلط ہوتا ہے، پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اسے اللہ کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(۱۹:۵۸)

شیطان ان پر مسلّط ہوا تو اللہ کا ذکر انہیں بھلا دیا۔ یہی لوگ شیطان کی ٹولی ہیں۔
دیکھو شیطان کی ٹولی ہی گھاٹے میں رہنے والی ہے۔

جب بھی کوئی دشمن پر قابو پاتا ہے، تو سب سے پہلے وہ دشمن سے اُن ہتھیاروں کو چھینتا ہے جو اس کے لیے ہلاکت کا سامان ہیں۔ اس آیت سے اور بھی وضاحت ہو گئی کہ ذکرِ الٰہی شیطان کے لیے حد درجہ ہلاکت آفریں ہے جبھی تو انسان پر قابو پاتے ہی ذکرِ الٰہی سے غافل کرنے کی فکر سب سے پہلے اسے دامنگیر ہوتی ہے۔

پس یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسُول کی نظر میں شیطان کا علاج ذکرِ الٰہی ہے۔

اب آیئے قرآن و حدیث کی روشنی میں نفس کا علاج تلاش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

لکل شیٔ صقالۃ و صقالۃ القلوب ذکر اللّٰہ (بیہقی)

ہر شے کو چمکانے کے لیے پالش ہوتی ہے اگر دلوں کو تم صیقل کرنا چاہو تو اللہ کے ذکر سے صیقل کرو۔

پس اگر دل کو حسد، بغض، تکبر، بخل کے گرد و غبار سے صاف کرنا چاہو، تو اس کی تدبیر بھی ذکرِ الٰہی ہے۔

یکے دواست بدار الشفاء میکدہ ہا[1]
زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہید

دوامِ ذکر

چونکہ نفس اور شیطان دونوں کا علاج ذکر ہی ہے، اسی لیے قرآن نے دوامِ ذکر پر زور دیا:

فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللّٰہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبکم (۴: ۱۰۲)

جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو اللہ کا ذکر کرو۔ اُٹھتے، بیٹھتے، پہلو بدلتے ہوئے۔

اور اللہ والوں کے بارے میں فرمایا:

الذین یذکرون اللّٰہ قیاماً و قعوداً و علیٰ جنوبھم (۳: ۱۹۱)

وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں۔

اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ صلح ہو یا جنگ ہو، بزم ہو یا رزم ہو اللہ کا ذکر مسلسل اور

---

[1] توحید کے شراب خانوں کے دار الشفا میں ایک ہی دوا ہے۔ جس بیماری سے بھی کوئی کراہ رہا ہے اس کے منہ میں ذکر الٰہی کی شراب انڈیلو۔

پیہم کرو۔ سورۂ انفال میں ہے:

یاایہا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا
اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون (۸: ۴۶)

اے ایمان والو! جب کسی جتھے سے تمہاری ٹکر ہو جائے تو جم کر لڑو، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، تاکہ تمہیں کامرانی حاصل ہو۔

جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کہا کہ فرعون سرکش ہو گیا، جاؤ اسے سمجھاؤ، تو ساتھ ہی کہا: ولا تنیا فی ذکری (۲۰: ۴۲)

میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

کان یذکر اللہ علی کل احیانہٖ (مسلم)

وہ ہر آن، ہر لمحہ اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

عبداللہ بن بشرؓ سے روایت ہے ایک صحابی نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

یارسول اللہؐ! ان شرائع الاسلام قد کثرت علی فاخبرنی بشیء اتشبث بہ

اسلام کے احکام تو بہت سے ہیں مجھے کوئی ایک بات ایسی بتا دیجیے جسے میں اپنا دستور العمل ٹھہرا لوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا یزال لسانک رطبًا من ذکر اللہ (ترمذی)

تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہے۔

پس دوامِ ذکر ہی عقیدہ و عمل میں تضاد کا علاج ہے۔ اسی سے ملکیت بہیمیت پر

غالب ہوتی ہے اسی سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے۔ اسی سے جذبات کی تطہیر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جنہیں اللہ کے راستے کی معرفت حاصل ہوئی، اللہ کی یاد سے پل بھر کی غفلت کو بھی معصیت سمجھتے ہیں۔

صرفِ عصیاں ہُوا وہ لحظۂ عمر
جو تری یاد میں بسر نہ ہُوا

پس وہ تمام مذہبی جماعتیں جو ذکرِ الٰہی کی اُلٹی سیدھی تعبیریں کرتی ہیں اور ذکرِ الٰہی سے گریز کی راہیں ڈھونڈتی ہیں، ان کے نظریات و افکار میں شیطانی وساوس کو دخل ہوتا ہے۔ شیطان ان کے جی میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ ذکرِ الٰہی سے مُراد یہ ہے کہ وہ یاد رہے —— یعنی اس کا خیال رہے اور خیال کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اس کے بتلائے ہُوئے کاموں پر عمل کیا جائے۔ یوں شیطان بہکا پُھسلا کر ذکرِ الٰہی سے اُنہیں غافل کر دیتا ہے اور ان پر مسلّط ہو جاتا ہے۔ ذکرِ الٰہی سے گریز قرآن مجید کی نظر میں منافقت کی نشانی ہے۔

ولا یذکرون اللہ اِلا قلیلاً (۴ : ۱۴۱)

جو فرقہ اللہ کی عبادت سے فرار کے بہانے تراشے اور یہ کہے کہ قرآن مجید میں تو پانچ نمازوں کا ذکر کہیں نہیں ہے، خود اللہ کی عبادت سے یہ فرار میری نظر میں ان کی ضلالت اور گمراہی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ عمل کہ جب سے فرض ہُوا، اس وقت سے لے کر آج تک پُورے عالمِ اسلامی میں بلا ناغہ پانچ وقت دُہرایا گیا، اس عمل کے بارے میں ان کی یہ کٹ حجتیاں اور حیلہ سازیاں ان کے محجوب ہونے کی خبر دیتی ہیں۔

اللہ والوں کی تو یہ پہچان ہے کہ وہ اس کی بارگاہ میں بار بار حاضر ہونے کے لیے

بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ پانچ نمازوں سے بھی ان کی محبّت کی پیاس نہیں بجھتی۔ کبھی چاشت اور کبھی اشراق، کبھی صلوٰۃ اوابین اور کبھی صلوٰۃ تسبیح سے پیاس بجھاتے ہیں۔ وہ الذین یبیتون لربّھم سجدًا و قیامًا کی مجسّم تفسیر ہوتے ہیں۔ ان کی راتیں اس عالم میں بسر ہوتی ہیں کہ کبھی اپنے رب کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ کہاں یہ نفوسِ قدسیہ کہ اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، پہلو بدلتے ہوئے آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی ان کی زبانیں اور ان کی رُوحیں ذکرِ الٰہی میں ڈوبی ہوئی ہیں اور کہاں وہ بندگانِ غفلت شعار اور گُم گشتگانِ راہ کہ ان کے لائحۂ عمل میں ذکرِ الٰہی کا سرے سے مذکور ہی نہیں۔ شتان ما بینھما۔

اب سوال یہ اُبھرتا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ محض چند الفاظ کی تکرار سے شخصیت کے تمام گوشے متاثر ہونے لگتے ہیں اور قوتِ عمل جاگ اُٹھتی ہے۔ محض زبان کو حرکت میں لانے سے جی کا غبار دُھلنے لگتا ہے، روحانی بیماریاں چھٹنے لگتی ہیں اور عقیدہ و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہونے لگتی ہے۔ آخر اس کی علّت کیا ہے؟

آیئے اسی دانائے سبل سے پُوچھیں اور اسی کے فرمودات کی روشنی میں اس کا جواب تلاش کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

لا یقعد قومٌ یذکرون اللہ اِلا حفتھم الملٰئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ وذکرھم اللہ من عندہٗ

(رواہ مسلم)

جب بھی کچھ لوگ اللہ کے ذکر کی خاطر مل بیٹھتے ہیں۔ فرشتے ان کا احاطہ کر

لیتے ہیں، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، سکینت ان پر نازل ہوتی ہے۔ اور خدا بھی ان کا ذکر کرتا ہے، ان سے جو اس کے پاس ہیں۔

[1] آسمان سجدہ کند بہر زمینے کہ برو
یک دو کس، یک دو زماں، بہر خدا بنشنند

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو لوگ بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا دیے ہیں، ناگزیر ہے کہ ان پر رحمت و سکینت کا ورود ہو۔

رحمت کی حقیقت

اس رحمت اور سکینت کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک جوہر ہے جس کا ورود قلب پر ہوتا ہے۔ وہ جوہر جو تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے۔ بجا کہا حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے نور الہدیٰ میں: "مجرد نزول انوار ہمہ اوصاف ذمیمہ را از قلب برمی کند" (انوارِ الٰہی کا محض دل سے لمس تمام روحانی بیماریوں کو اُچک لیتا ہے)۔

وہ شخص ذکر کی حقیقت و رُوح سے یکسر محروم رہا جس نے سکینت سے مراد محض ذہنی سکون سمجھا اور رحمت کے جوہر سے آشنا نہ ہوا۔

پس یہ رحمت تمام رُوحانی بیماریوں کی دوا بھی ہے اور اللہ والوں کی رُوحانی غذا بھی۔ یہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا: ابیت یطعمنی ربی ویسقینی (متفق علیہ) ——— میں رات اپنے ربّ کے پاس بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

---

[1] آسمان اس خطۂ زمین کی تعظیم بجا لاتا ہے، جس پر دو یار آدمی دو چار گھڑی

تو اس سے مراد بھی رُوحانی رزق ہے جسے عامۃ النّاس کو سمجھانے کے لیے کھلانے پلانے سے تعبیر کیا۔

رحمت و سکینت میں فرق

ذہن میں ایک استفہامیہ نشان یہ بھی اُبھرتا ہے کہ رحمت و سکینت کے معانی میں حدِ فاصل کیسے کھینچی جائے۔ اگر یہ مترادف لفظ ہیں تو صرف غشیتھم الرحمہ کہنا ہی بس کرتا تھا اور نزلت علیھم السکینہ حشو و زوائد میں سے ہوا اور اس افصح العربؐ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ فالتو لفظ بولتے تھے، بہت بڑی بدگمانی ہے۔ قرآن و حدیث میں اسی قبیل کے متعدّد الفاظ آئے ہیں:

صلوٰۃ و سلام و رحمت و برکت و سکینت

ان کے معانی میں حدِ فاصل کھینچنے میں دقّت ہوتی ہے۔

اگر چشمِ بصیرت وا ہو، تو عالمِ رُوحانی کی حقیقتوں پر یہ عالمِ آب و گِل بھی دلالت کناں ہے۔ یہ مادی رزق جو اللہ نے اپنی تمام مخلوق کے لیے پیدا کیا، جسے ملحد، زندیق، کافر، اسے گالیاں دینے والے، اس کے وجود سے انکار کرنے والے سبھی کھاتے ہیں، اللہ نے اس میں کس قدر تنوّع پیدا کیا۔ سبزیوں اور پھلوں کی اقسام پر غور کیجیے۔ آم پیدا کیے تو اس کی بیسیوں قسمیں بنائیں۔ خربوزہ پیدا کیا تو ساتھ سردا اور گرما پیدا کیا۔ مختلف اقسام و انواع، پھر ہر نوع میں تنوّع در تنوّع۔

پھر کیا اس رزق میں اللہ نے کوئی تنوّع نہ رکھا ہو جو اس نے اپنے عاشقوں اور محبوبوں کے لیے پیدا کیا ——— وہ رزق جو ان بندوں کے لیے پیدا کیا،

جنہوں نے اس کی خاطر دو جہانوں کو خیرباد کہا اور اس کی ذات کے لیے وقف ہو گئے گیا وہ ایک ہی قسم کی رحمت ہے جو اہلِ ذکر کی، روح پر وارد ہوتی ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے وہ نوامیسِ فطرت سے یکسر ناآشنا ہے۔ جب اس نے رحمت کی تخلیق کی تھی۔ تو اس کی صفت خلاقی بھرپور جوش میں آئی تھی اور اُس نے اَن گنت رحمت کی قسمیں پیدا کیں۔ اتنی قسمیں جنہیں تم حیطۂ شمار میں نہ لاسکو۔ یہ صلوٰۃ، یہ سلام، یہ رحمت، یہ برکت یہ سکینت یہ سب اس کی رحمت کی انواع و اقسام ہیں جو اہل اللہ کے سینوں پر وارد ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو اس لذّت سے محروم ہیں، وہ لُغت میں صلوٰۃ، سلام، رحمت، برکت اور سکینت کے معانی ڈھونڈتے ہیں اور جب ان کے معانی میں کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچ سکتے تو پریشان ہوتے ہیں۔

عاشق نہ شُدی، محنت الفت نہ کشیدی
کس پیشِ تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید

اور:

۳ من لم یذق حرق الھوی
لم یدرِ ما جھدُ البلاء

یہ بات تو سینے پر وارد ہونے کی ہے۔ زبانی سمجھانے کی نہیں ہے۔ کیفیت رُوحانی ہو۔ ذہنی ہو یا جسمانی۔ وہ محسوس تو کی جاسکتی ہے، مگر دُوسرے کو سمجھائی نہیں جاسکتی۔ جیسے کسی آدمی نے آم نہ کھائے ہوں۔ آپ اُسے ہزار سمجھائیں کہ لنگڑے کی یہ لذّت ہے، دسہری کی حلاوت ایسی ہے اور ٹپکے کا مزا ایسا ہوتا ہے۔ وہ اِن لذّتوں کا فرق سمجھنے سے یکسر قاصر رہے گا

۳: جس نے عشق کی سوزش کا مزا نہیں چکھا ہے، اُسے کیا خبر کہ محبّت کی سختیاں جھیلنے میں کیا مزا ہے

سب لذّتیں ہیچ ہیں

پھر یاد رکھو کہ اس روحانی رزق کی لذّت کے سامنے کائنات کی تمام لذّتیں ہیچ ہیں۔ یہ جو تم اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ رات بھر اس کی بارگاہ میں بیٹھے رہتے ہیں یونہی خشک اور بے لذّت تو نہیں بیٹھے ہیں۔

؎ دیدہ باشند از رُخ آں دوست اندک جلوہٴ
ورنہ از احیائے شب، شب زندہ داراں را چہ حظ

دوست کے مکھڑے کی کچھ جھلکیاں انہیں نظر آتی ہوں گی، وگرنہ رات بھر جاگنے کی انہیں کیا پڑی ہے۔

یہ جو صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک اس کے حضور میں جم کر بیٹھے رہتے ہیں جبکہ بادِ نسیم اور نمازیوں کو بھی تھپک تھپک کر سُلا رہی ہوتی ہے، رُوحانی غذا کھاتے ہیں اور شدید سرور و کیف کے عالم میں ہیں۔

یہ جو ابراہیم ادھم نے بادشاہت پر لات ماری اور تخت و تاج اس سے چھُوٹ گیا، تو یہ محض اس لیے کہ اللہ کا ذکر پادشاہت سے لذیذ تر تھا۔

سُلطان العارفینؒ نے اپنے دیوان کے مطلع میں اسی روحانی رزق کی لذّتوں کا ذکر کیا ہے۔

؏ اندر بوٹی مُشک مچایا جاں پھلّن پر آئی ہو

ذکر سے میرا سینہ مہک اُٹھا ہے اور قریب ہے کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں۔

پس محروم اور کم نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس رُوحانی رزق سے کوئی حصّہ نہیں

ملتا ہے اس سے بڑھ کر بدبختی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ کے ہاں تمہارا راشن کارڈ ہی نہ بنا ہو جب تک فیضان نہیں ہوتا ہے۔ عبادت طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔

—— انها لكبيرة الا على الخاشعين —— اور فیضان ہو تو نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور زندگی کی سب سے بڑی لذت حضورؐ کا ارشاد ہے:

جعلت قرة عيني في الصلوٰة (نسائی)

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

خبیبؓ بن عدی کو جب پھانسی پر لٹکانے کے لیے لے جا رہے تھے، تو کفار نے پوچھا کوئی آرزو ہو تو کہو، فرمایا: "مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔"

جب انسان اس روحانی غذا کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے، تو وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس نشۂ رحمت و سکینت کے بغیر زندگی اسے پھیکی اور بے کیف معلوم ہوتی ہے۔ جیسے بھوکا بیتابی سے روٹی کی طرف لپکتا ہے اور پیاسا بے چینی سے پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے، اسی بے تابی اور بے قراری سے وہ اللہ کے ذکر، عبادت اور مخلوق کی خدمت کی طرف لپکتا ہے تاکہ بادۂ رحمت سے وہ روح کی پیاس بجھا سکے۔

وہ لوگ جو رحمت و سکینت کی فضائیں جیتے ہیں، وہ اگر اس کے احکام پر عمل نہ کریں اور اس کی منہیات سے نہ بچیں، تو وہ فیضان رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور فیضان رحمت کے بغیر ان کا دم گھٹتا ہے اور زندگی اُداس ہو جاتی ہے۔ یوں بغیر کسی کاوش اور مشقت کے زندگی نیکی اور بھلائی کے سانچے میں ڈھل گئی۔ عقیدہ و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہوئی اعضاء و جوارح عقیدے کا ساتھ دینے لگے۔

ذکرِ الٰہی سے رحمت کا ورود ہوتا ہے۔ وہ رحمت تمام رُوحانی بیماریوں کی دوا

ہے اور اہل اللہ کی روحانی غذا ہے۔ وہ رحمت رات کے اندھیرے ہی میں نہیں، دن کے اُجالے میں برستی ہے۔ وہ رحمت نیند کی حالت میں نہیں، ہوش و آگہی کے عالم میں برستی ہے۔ وہ دن دہاڑے برستی ہے اور عالمِ بیداری میں برستی ہے۔

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

آپ بھی جی میں کہتے ہوں گے کہ یہ کیا پہیلیاں ہیں۔ یہ کیا بجھارتیں ہیں، ذکر تو کبھی کبھار ہم بھی کرتے ہیں، نماز ہم بھی پڑھتے ہیں، مگر یہ رحمت و سکینت کی بارش برسنے کا کوئی حادثہ ہمیں تو پیش نہیں آیا۔ وہ رحمت اگلے وقتوں میں برستی ہوگی۔

اے شوقِ منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے؟

اس کی صفت رحمان و رحیم بھی ازلی و ابدی ہے۔ وہ پل بھر کے لیے بھی کبھی معطل نہیں ہوئی۔ وہ سرمدی اور لم یزلی ہے۔ صفتِ رحمان کا تقاضا ہے کہ رحمت ہر دور میں برسے۔

آپ کہیں گے یہ باتیں تو لذیذ ہیں مگر کیا تدبیر کریں کہ رحمت کا ورود ہونے لگے۔

ورودِ رحمت کیسے ہو؟

یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ ذکر دنیوی اغراض کے لیے کیا جاتا ہے۔ کوئی ملازمت کے لیے ذکر کرتا ہے، کوئی شادی کے لیے تسبیح پھیرتا ہے، کوئی وظیفے پڑھتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد نہیں۔ کوئی اس لیے پڑھتا ہے کہ میرے ہاں لڑکیاں ہوتی ہیں اور لڑکا کوئی نہیں۔ دُنیا کے دھندے اور جنجال کبھی ختم ہونے والے نہیں۔

ایک جنجٹ سے انسان نکلتا ہے، تو دوسرے میں گرفتار ہوتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کا مقصود ذکرِ الٰہی سے محض دینوی خواہشات کی تکمیل ہے۔

ذکر لوجه الله کرو

اے طالب! تو اللہ کا ذکر اللہ ہی کے لیے کر۔ اس کی رضا اور خوشنودی کو اپنا مقصود ٹھہرا لے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو اصحاب صفہ کی دلجوئی اور پاس خاطر کی دوبار تلقین کی گئی۔ یہ جو اصحاب صفہؓ کو مقام حاصل ہوا، تو اس کا باعث قرآن نے یہ تبلایا کہ وہ اللہ کو اس کی رضا کی خاطر یاد کرتے ہیں۔

ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشي
يريدون وجهه (۶ : ۵۲)

ان لوگوں کو اپنے سے پرے نہ ہٹائیے، جن کی صبحیں اور شامیں اپنے رب کی یاد میں بسر ہوتی ہیں (اور یاد اس لیے کرتے ہیں کہ) اس کے مکھڑے کے طالب ہیں۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربّهم بالغداوة
والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم (۱۸:۲۸)

اور ضبط کے ساتھ بیٹھے رہیے ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح و شام، اس کے مکھڑے کے طالب ہیں۔ ان سے نگہ التفات نہ ہٹائیے۔

دونوں آیتوں میں اس بات پر زور دیا گیا کہ:

یریدون وجهه ـــــــ وہ اس کی رضا چاہتے ہیں

پس اے طالب! تو اپنی نیّت کو سیدھا کر اور دل و دماغ کی ہم آہنگی سے کہہ:

الٰهی انت مقصودی و رضاك مطلوبی

اے اللہ! میرا مقصود تُو ہے اور تیری رضا مجھے مطلوب ہے۔

؎ جہد کن تا ترک غیرِ حق کنی
دل ازیں دُنیائے فانی بر کنی

کوشش کرو کہ تم غیر اللہ سے دامن جھٹک سکو اور اس دُنیائے فانی سے دل نکال سکو۔

؎ چوں الف گر تو مجرّد می شوی
اندریں رہ مردِ مُفرد می شوی

اگر تو الِف کی طرح (دنیوی حرص و آز کی آلائشوں سے) الگ تھلگ ہو جائے، تو اس راستے کا تُو فردِ یکتا ہو۔

اگر کسی شریف آدمی سے تم وفا کرو، اس کے آستانے کے لیے وقف ہو جاؤ اور اس کی محبّت کی بنا پر اس کی چاکری کرو، تو وہ بھی تمہاری حاجتوں کا خود خیال کرتا ہے، وہ کہتا ہے اسے کھانا دو، کہیں بھوکا تو نہیں؟ اسے لحاف دو کہیں سردی تو نہیں لگتی ہے۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے ہیں، اسے کپڑے بنا کر دو۔ جب ایک شریف آدمی کی محبّت کے یہ تقاضے ہیں تو اس ربّ العالمین کے بارے میں تمہارا گمان کیا ہے؟ تم اگر اس سے وفا کرو اور اس کی محبّت میں اسے یاد کرو، تو وہ

چُن چُن کر تمہاری ایک ایک حاجت کو پُورا کرے گا۔ حدیث قدسی ہے:

یا ابن آدم تفرغ لعبادتی اسدّ فقرک (احمد)

اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو بیٹھ، میں تیری ضرورتوں کو پورا کرونگا

؏ کارسازِ ما بفکر کارِ ما
فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

جتنی عُمر تم نے دُنیا کے دھندوں کے لیے وظیفے پڑھے، اے کاش اس کا عشرِ عشیر تم اللہ کی خاطر پڑھتے تو تم اس کے مقبول بندوں میں شمار ہوتے۔ اے طالب! تو ذکر اللہ ہی کے لیے کر اور دُنیا کے دھندوں کے لیے دعا مانگ۔ دعا تیری عاجزی، تیری بیچارگی اور تیری درماندگی کا اظہار ہے۔ یہی اعتدال کی راہ ہے اور یہی مسنُون طریقہ ہے۔ دعا بھی اپنے جی سے گھڑ کر نہ مانگ، تیری عقل ناقص ہے۔ تیری معرفت ادھوری ہے۔ تو انگاروں کو پھُول سمجھتا ہے اور پھُول تجھے انگارے نظر آتے ہیں تو سمِ قاتل کو شہد سمجھ کر مانگتا ہے۔ تیری دعائیں کچّی اور بودی ہیں۔ دعائیں وہی مانگ جو سرورِ دنیا و دینؐ نے سکھلادی ہیں۔ ان دعاؤں سے سرِ مو انحراف نہ کر۔

اہل ذکر کی صحبت اختیار کرو

اے طالب! اگر تو چاہتا ہے کہ تجھ پر رحمتوں کی بارش ہو اور تو انوار کی غذا کھائے تو اہلِ ذکر کی صحبت اختیار کر۔ ان کی صحبت اکسیر اعظم ہے۔ ان کی محفل کبریت احمر ہے۔ تو اپنی انانیت کو کچل کر ان کی مجلس میں جا بیٹھ۔

ابو رزینؓ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:-

"میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس سے دُنیا اور آخرت کی سعادتیں تمہاری جھولی میں سمٹ آئیں۔"

علیك بمجالسِ اهل الذکر واذا خلوت فحرّك سانك ما استطعت بذکر الله۔

اہلِ ذِکر کی مجالس لازم پکڑو اور جب اُٹھ کر وہاں سے جاؤ تو اللہ کے ذکر کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت میں لاؤ۔ جہاں تک تمہارا بس چلے۔

واحب فی الله وابغض فی الله

اللہ ہی کی خاطر محبت کرو، اللہ ہی کی خاطر نفرت کرو۔

پھر آپ نے فرمایا:

یا ابارزین! هل شعرت ان الرجل اِذا خرج من بیته زائرًا اخاهُ شیعهٗ سبعون الف ملك کلهم یصلّون علیه و بقولون ربنا انه وصل فیك فصله فان استطعت ان تعمل جسدك فی ذالك مافعل۔ (بیہقی)

اے ابو رزین! کیا تو نے محسوس کیا ہے کہ آدمی جب گھر سے اپنے دینی بھائی کی زیارت کی نیت سے نکلتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ سب اس پر رحمتیں بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں، اے ہمارے رب! اس نے تیری خاطر یہ تعلق قائم کیا ہے، تو بھی اس سے تعلق قائم کر۔ اے ابو رزین! یہ ہے کام کرنے کا جہاں تک تمہارا بس چلے، اس میں اپنا جسم کھپا دو۔

اہلِ ذکر کی صحبت تمہیں ریاضت شاقہ سے بے نیاز کر دے گی۔

آنکہ بہ تبریز یافت یک نظرِ شمسِ دیں
طعنہ زند بر دہا، سخرہ کند بر چلہ

(۳) تیسری بات یہ پلّے باندھو کہ ذکر پیہم کرو، بلا ناغہ کرو۔

کوک فریدا کوک توں، راکھا جویں جوار
جد تک ٹانڈا ناں پلّے، تو کردا رہ پکار

ان تین باتوں کو پلّے باندھو۔

۱۔ ذکر لوجہ اللہ کرو۔
۲۔ بلا ناغہ کرو
۳۔ اہلِ ذکر کی صحبت اختیار کرو۔

ان تین باتوں پر اگر تو عمل پیرا ہو جائے تو میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تجھ پر انوارِ الٰہی کی بوچھاڑ ہو اور فیضانِ رحمت تیری رگ رگ اور نس نس کو سیراب کرے، تمہارے دامن کے سب داغوں کو دھو ڈالنے کے لیے اس فیضان کا ایک چھینٹا ہی بس کرتا ہے۔

---

[1] جس نے شمس تبریز ایسے مردِ درویش کی اک نگاہ کو پا لیا، وہ چلّہ کشی اور ریاضت کی کھلی اڑاتا ہے۔

تشکیک کا علاج

بعض لوگوں کو مابعد الطبیعاتی حقائق کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ وحی و تنزیل کی حقیقت کیا ہے؟ ملائکہ کا وجود ہے بھی کہ نہیں؟ خدا غیر مرئی، ملائکہ غیر مرئی، وحی کا نزول غیر مرئی۔ خدا حواس کی گرفت میں نہ آسکے۔

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار (۶ : ۱۰۳)

ملائکہ حواس کی گرفت میں نہ آسکیں، وحی کا نزول دکھائی نہ دے، عقل اپنا مواد حواس ہی کے ذریعے اکٹھا کرتی ہے۔ جو بات حواس کی گرفت میں نہ آسکے۔ عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ عقل جب ان حقائق کا ادراک نہیں کرسکتی، تو وہ متشکک ہو جاتی ہے اور وہ باتیں جو ماوراء عقل ہیں، انسان انہیں خلافِ عقل سمجھ بیٹھتا ہے۔ تشکیک کی بیماری میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ روح کا کوئی مستقل بالذات وجود ہے یا وہ مادے ہی کا خاصہ ہے اور جوہر حیات کے سوا کچھ بھی نہیں اور جب روح کا کوئی مستقل بالذات وجود نہیں، تو حیات بعد الممات کس سے عبارت ہے؟ تشکیک میں یہ وسوسہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ شکوک و شبہات جو ذہن میں ابھرتے ہیں ان کا

باعث ذہانت اور عقل کی برّاتی ہوتی ہے۔ انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ میری ذہنی سطح عام انسانوں سے بلند تر ہے۔ اس لیے یہ خیالات میرے ذہن میں آتے ہیں۔ اگر آپ بات کا تجزیہ و تحلیل کریں، تو آپ کو معلوم ہو جائے کہ محض رُوح کے کثیف ہو جانے سے اور رُوح میں ناسوتی خواص پیدا ہو جانے سے مابعد الطبیعاتی حقائق کے بارے میں انسان متشکک ہو جاتا ہے۔ اس میں ذہانت و عبقریت کی کوئی بات نہیں۔ زمانۂ جاہلیت کے بدّو بھی کہا کرتے تھے۔

ءَإِذا متنا و كنا ترابًا وعظاماً ءانا لمبعوثون (۲۳ : ۸۳)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو گئے ہوں گے اور ہڈیاں باقی رہ گئی ہوں گی، کیا ہمیں اٹھا دیا جائے گا۔

اور جیسا کہ ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے:

اموت ثم بعث ، ثم نشر
حديث خرافةٍ يا ام عمرو

کیا ہم مر جائیں گے، پھر ہمیں اُٹھا دیا جائے گا اور ہمارا حساب کتاب ہوگا۔ یہ سب خرافات ہے میری محبوبہ!

عقل سرکش ہے۔ وہ دلائل سے تو ان حقائق کو ماننے والی نہیں۔ وہ ہر دلیل کو کاٹ ڈالتی ہے۔

عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

میں نے عرض کیا کہ یہ حقیقتیں عقل سے ماوراء ہیں۔ عقل ان کے ادراک سے قاصر ہے اور اگر عقل کبھی زورِ دلائل سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتی ہے تو یہ اس کی

عبادت کی دلیل ہے اب سوال یہ ہے کہ پھر تشکیک کا علاج کیا ہے اور یقین و اذعان کی دولت سے کیونکر بہرہ یاب ہوں۔

عامۃ المسلمین کو تو یقین و اذعان وجدانی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر ایک بار عقائد کی چولیں ڈھیلی ہو جائیں اور شکوک و شبہات کے کانٹوں کی چبھن محسوس ہونے لگے —تو تشفی مشاہدے کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ مشاہدہ ہر چند جزئی ہوتا ہے لیکن جزو کُل پر دلالت کناں ہوتا ہے اور مشاہدے کے لیے ذکر الٰہی سے بہتر کوئی راہ نہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کہا:

ولا افضل من الذکر باعتبار تطلع النفس الی الجبروت

عالم علوی سے آگہی حاصل کرنے کا ذریعہ ذکر الٰہی سے بہتر کوئی نہیں۔

ذکر الٰہی سے مابعد الطبیعیاتی حقائق کا منکشف ہونا خود احادیث سے ثابت ہے۔

عن ابی سعید الخدریؓ ان اسید بن حضیر قال بینما ھو یقرأ من اللیل سورۃ البقرۃ وفرسہ مربوطۃ عندہٗ اذا جالت الفرس فسکت فسکنت فقرأ فجالت فسکت فسکنت ثم قرأ فجالت الفرس۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اسید بن حضیرؓ رات کے وقت سورۃ البقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا۔ گھوڑا یکایک بدکا تو آپ چپ ہو گئے۔ تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ آپ پھر تلاوت کرنے لگے تو گھوڑا پھر بدکا آپ چپ ہوئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ آپ نے پھر تلاوت کی تو گھوڑا پھر بدک اُٹھا۔

حضرت اسیدؓ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا:

فاذا مثل الظلة فیها امثال المصابیح

تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سائبان سا ہے جس میں چراغ سے جل رہے ہیں۔

صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔

آپ نے فرمایا:

تدری ماذاک

(تمہیں خبر ہے کہ یہ کیا تھا)

تلك الملئكة دنت لصوتك ولو قرأت لاصبحت ینظر

الناس الیها لا تتواری منهم۔ (متفق علیه)

[یہ فرشتے تھے جو تیری آواز سن کر قریب آگئے تھے اور اگر تو تلاوت جاری رکھتا تو انہیں تیری آواز نے ایسا جذب کیا تھا کہ وہ واپس نہ جا سکتے اور صبح کے وقت لوگ انہیں دیکھتے اور وہ فرشتے ان سے چھپ نہ سکتے]

یہ حدیث اس پر حجت قاطعہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید جو بحکم انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون بدرجۂ اولیٰ ذکر الٰہی ہے مشاہدۂ ملائکہ کا باعث ہوئی پھر حضرت حنظلہؓ والی حدیث سے اس کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔ حضرت حنظلہؓ فرماتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ مجھے مل گئے۔ میں نے کہا:

نافق حنظلہ "حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے "حنظلہ تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟" میں نے کہا: "ہم بارگاہ رسالت میں ہوتے ہیں تو ہماری یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ہم جنت و دوزخ کا گویا آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے

ہوتے ہیں۔ آپ کی مجلس سے باہر آتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ اور دنیوی دھندوں میں لگ جاتے ہیں اور وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے: "یہ حالت تو مجھے بھی پیش آتی ہے، دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کیفیت بیان کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہٖ لوتدومون علیٰ ما تکونون عندی
وفی الذکر لصافحتکم الملائکۃ علیٰ فرشکم وفی طرقکم
ولکن یاحنظلۃ ساعۃً وساعۃ (مسلم)

میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم مسلسل ذکر کرو اور پیہم تم پر وہ کیفیت طاری رہے جو میری مجلس میں تم پر طاری ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہاری راہوں میں (ادباً واحتراماً) تم سے مصافحے کریں، لیکن اے حنظلہ! کبھی یہ کیفیت ہے اور کبھی وہ کیفیّت ہے۔

دربزم عیش یک دو قدح نوش کن برو
یعنی طمع مدار وصال دوام را

عالم ملکوت ولاہوت کا مشاہدہ نہ سہی، اگر محض سفلی ارواح ہی کا مشاہدہ ہو جائے تو ایک سمجھ بوجھ رکھنے والے انسان کو یہ بصیرت ویقین حاصل ہو جاتا ہے کہ رُوح جسم سے ہٹ کر مستقل وجود رکھتی ہے اور یہ عقل ہی کی درماندگی تھی کہ وہ اس بات کے ادراک سے قاصر رہی کہ روح اپنے وجود اور بقا کے لیے جسم کا احتیاج نہیں رکھتی،

محض سفلی ارواح کے مشاہدے سے وہ یہ نتیجہ مرتب کرتا ہے کہ وہ اللہ جس نے اس کائنات میں تقابلی رنگ بھرے ہیں۔ رات کے ساتھ دن بنایا ہے، اندھیرے کے ساتھ اُجالا پیدا کیا۔ اور خیر کے ساتھ شر کی تخلیق کی، ناگزیر ہے کہ اس نے سفلی اور خبیث ارواح کے مقابل ملائکہ اور ارواح طیبّہ کو بھی پیدا کیا ہو۔ حیات بعد الممات کے بارے میں سب سے بڑا اشکال تو یہی تھا کہ جسم فنا ہو جانے کے بعد رُوح کا زندہ رہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب ارواح کی زندگی کا شعور حاصل ہو گیا تو ان پر عذاب و ثواب کا مرتّب ہونا آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ یوں محض سفلی ارواح کا مشاہدہ رُوح، ملائکہ حیات بعد الممات پر ایمان کا باعث ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں تو برٹرنڈرسل اور اس کی ذرّیت کے نظریات و افکار کا بوداپن تو انسان پر کُھل ہی جاتا ہے۔

ایک بات اور محل نظر ہے۔ مجرّد عقل تو ذکر کی قائل ہی نہیں ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے محض کسی نام کی تکرار سے اور ہونٹوں کی جنبش سے کیا ہوتا ہے۔ اسے ذکر پر آمادہ کیسے کریں؟ عقل کو یہ سمجھایئے کہ جہاں حقیقت کی تلاش میں اتنے پاپڑ بیلے ہیں، اتنی وادیوں کی خاک چھانی ہے، اتنی ضخیم کتابوں کو کھنگالا ہے، اگر یہ سچ ہے کہ تو حقیقت کی متلاشی ہے اور محض بندھنوں اور قدغنوں سے گریز کی راہ نہیں ڈھونڈ رہی ہے تو یہ بھی ایک راستہ ہے جس پر لاکھوں انسانوں نے چل کر حقیقت کا سراغ پانے کا دعویٰ کیا۔ ایک عقلیت پسند (RATIONALIST) استقرائی منطق (INDUCTIVE LOGIC) کو تو مانتا ہے۔ خود عقلیت پسندی کے اصول اسے یہ اجازت نہیں دیتے کہ وہ لاکھوں انسانوں کے تجربات و مشاہدات کو بیک جنبشِ قلم اپنے کمرے میں بیٹھ کر جھٹلا دے۔ ایک عقلیت پسند کے لیے واجب

ہے کہ وہ کسی بات پر ردّ و قبول سے پہلے اس موضوع پر تمام مواد (DATA) اکٹھا کرے وہ مالہ اور ما علیہ کو جانچے۔ جب تک وہ مالہ اور ما علیہ کو جانچ نہیں لیتا ہے اس کے لیے زیبا نہیں کہ وہ کوئی رائے قائم کرے۔ وہ راستہ جس پر چل کر لاکھوں ذہین و فطین انسانوں نے یقین و اذعان حاصل کیا، اس کے وجود سے بلا تحقیق انکار نہ کر۔ وہ راستہ جس پر چل کر امام غزالی ایسے نابغہ، مولائے روم ایسے عبقری نے مابعد الطبیعیاتی حقائق کی معرفت حاصل کی اور تشکیک سے نجات پا گئے، تو اس راستے پہ دو چار قدم چل کے تو دیکھ۔ عالم ارواح کی ہلکی سی جھلک مابعد الطبیعیاتی حقائق پر ایمان لانے کے لیے تجھے بس کرتی ہے۔ عین اس وقت جب کہ تمہارا ذہن ان حقائق کے بارے میں متردّد ہوگا یہ مشاہدات عقل کی ساری ہرزہ سرائی کو ختم کر دیں گے۔

رخ کشودند لب ہرزہ سرایم بستند
دِل ربودند و دو چشم نگرانم دادند

(میں اس کے وجود کے بارے میں واہی تباہی بک رہا تھا کہ اس نے چہرے کی جھلک دکھا کر میرے ہونٹوں کو سی دیا ہے۔ اُس نے دل چھین لیا (جھلک دکھا کر) اور دو آنکھیں بخشیں جو ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ رہی ہیں)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ابو محمد عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

تم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایمان نہیں رکھتا جب تک کہ اس کی خواہش اس چیز کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لایا ہوں۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے اسے ہم نے "کتاب الحجۃ" سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔